WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ القیامۃ

نام: اس سُورۃ کے دو نام مذکور ہیں۔ سورۃ "لَآ اُقْسِمُ" اور سُورۃ "القیامۃ" اس میں دو رکوع، چالیس آیتیں، ایک سو ننانوے کلمے اور چھ سو بانوے حروف ہیں۔

نزول: علماءِ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہُوئی۔ اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مکی عہد کے ابتدائی دَور سے ہے۔

مضامین: قیامت کے بارے میں کفار و مشرکین جن شکوک و شبہات میں بُری طرح گرفتار تھے کئی قسمیں کھا کر ان کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جس چیز کو تم محال سمجھ رہے ہو ہمارے لیے وہ بالکل آسان ہے۔ اس کے بعد قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر کیا گیا اور غافل انسانوں کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر کھینچ دی گئی۔

ابتدا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نزولِ وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ اس بات کا احساس بے چین رکھتا کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اس لیے جب جبرائیل امین کلامِ الٰہی کی وحی کرتے تو حضور جلدی جلدی ساتھ ساتھ اس کو دہراتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو ہمیشہ کے لیے دُور کر دیا۔ فرمایا: اے حبیب! وحی کو آپ کے لوحِ قلب پر ثبت کر دینا بھی ہماری ذمّہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معانی اور مطالب کا سمجھانا، اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں ہرگز متفکر نہ ہُوا کریں۔

اس اطمینان دہی کے بعد یہ بتایا کہ قیامت کے روز اللہ کے نیک بندے جب حاضر ہوں گے تو اُن کے چہرے گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ ہوں گے اُن کی مشتاق نگاہیں انوارِ الٰہی کے دیدار میں مستغرق ہوں گی۔ لیکن بدکار لوگ جب وہاں پکڑ کر لائے جائیں گے تو ان کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے۔ پھر ایسے لوگوں کی مَوت کا منظر پیش فرمایا۔ دُوسرے رکوع میں نام لیے بغیر مکہ کے ایک مغرور اور خود سر رئیس (اغلباً ابُوجہل ہے) کے اطوار و احوال بیان فرمائے اور اُس کو اس کے فطری انجام سے آگاہ کر دیا، تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑ سکیں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۷۷ - ۴ - ۲۱

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ القیامہ مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَيَحْسَبُ

میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی ۱ اور میں قسم کھاتا ہوں نفسِ لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ۲ کیا انسان یہ خیال

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ③ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ

کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو ۳ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست

۱ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ابو اللیث سمرقندی کا قول ہے اجمع المفسرون ان معنی لَآ اُقْسِمُ اُقْسِمُ۔ سب مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لَآ اُقْسِمُ کا معنی ہے میں قسم کھاتا ہوں۔ لیکن لَا کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لَا زائدہ ہے اور کلام کو مزین و آراستہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اہل عرب کے ہاں یہ استعمال عام ہے۔ بعض نے کہا کہ لَا ان کے انکار قیامت کا رد ہے۔ عرب جب کہتے ہیں لَا واللّٰہ لا افعل فلا ردّ لکلام قد مضی وفائدتها توکید القسم فی الرد۔ یعنی لَا سے پہلے کلام کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور بعد میں قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ قسم مؤکد ہو جائے۔

۲ دوسری قسم نفس لوامہ کی کھائی جا رہی ہے۔ حسن بصری کے نزدیک نفس لوامہ مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ نفس سرکش کو نفس امارہ کہتے ہیں جو امارہ کا مبالغہ ہے کیونکہ وہ ہر وقت برے کاموں کا حکم کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں کوشاں ہو جاتا ہے تو مولا کریم کی خصوصی توجہ اور جذب سے اس پر اس کے اپنے عیوب و نقائص منکشف ہو جاتے ہیں۔ اس پر وہ پشیمان ہوتا ہے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ اس نفس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور جب وہ ماسوا سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

یہاں دو قسمیں کھائی گئیں، لیکن مقسم بہ مقدر ہے۔ ای لَتُبْعَثُنَّ کہ تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔

۳ ہر وہ انسان جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا اسی قسم کے وسوسوں میں پھنسا رہتا ہے۔ وہ جب یہ سوچتا ہے کہ لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں سال گزر چکے ہیں ان کی قبروں کے نشان تک ناپید ہیں، ان کی ہڈیاں گل کر مٹی میں مل گئیں اور اس مٹی کے ذروں کو ہوا کے جھونکے صدہا بار الٹ پلٹ کر چکے اور کہیں کا کہیں اڑا کر پھینک آئے۔ دشت و جبل کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے ان ذروں کا اکٹھا ہو جانا کیسے باور کر لیا جائے۔ پھر کئی انسان تو ایسے تھے جو سمندر میں غرق ہوئے اور مچھلیوں کا نوالہ بن گئے۔ کئی لاشوں کو گدھ اور دوسرے پرندے چٹ کر گئے۔ کئی آگ نے جلا کر راکھ کر دیا۔ ان سب کا جمع ہونا، پھر ان کا پہلی حالت میں لوٹ کر وہی انسان بن جانا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ وہ اپنے فکر کے گھوڑے دوڑاتے اور آخر اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ قیامت کا برپا ہونا محض گپ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بَنَانَهٗ ﴿٤﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿٥﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ

کروں ۷ بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے ۸ (وہ ازراہِ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب

ہو سکتا ہے الانسان سے مراد کوئی خاص انسان ہو جیسے روایات میں مذکور ہے کہ اس سے عدی بن ربیعہ مراد ہے۔ وہ ایک دن حضور کے پاس آیا اور قیامت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضور نے اس کو بتایا قیامت ضرور ہوگی۔ ہر انسان کو اس کی نیکیوں کی پوری جزا اس دنیا میں نہیں مل سکتی اور نہ اس کو اس کی بدکاریوں کی پوری سزا یہاں ملتی ہے۔ انسان کے باشعور اور بااختیار ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسا دن آئے جب عدل کا ترازو رکھا جائے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا اور سزا ملے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن ربیعہ کو پوری کوشش سے سمجھایا۔ آخر وہ کہنے لگا لو عاينتُ ذلك اليوم لم اصدقك يا محمد ولم اؤمن به۔ اگر میں قیامت کو برپا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا۔ بعض نے کہا ہے الانسان سے مراد ابوجہل ہے۔ بہر حال عدی ہو یا ابوجہل، ان کے یہ مخصوص نظریات نہ تھے بلکہ ان تمام لوگوں کے خیالات و نظریات کے ترجمان تھے جو قیامت کے منکر ہیں۔ ان منکرین سے ایک سوال کیا جا رہا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس کا جواب اسی میں مضمر ہے۔ یعنی اگر میرا یہ دعویٰ ہوتا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کوئی انسان جمع کرے گا تو تمہارا اعتراض بجا تھا۔ اگر میں یہ کہتا کہ منتشر ذرے خود بخود جمع ہو جائیں گے تب بھی تمہاری حیرت بجا تھی۔ میں نے تو یہ بات کبھی کہی ہی نہیں۔ میں نے تو تمہیں بار بار یہی بتایا ہے کہ اللہ جو خالق ارض و سماء ہے، جس نے مٹی، پانی، ہوا کے اجزا کو ترتیب دیا اور تیرے جیسا پیکر ناز بنا کر پیدا کر دیا کیا وہ بھی ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کا انکار تو وہ مشرک بھی نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہیں۔

۷ تمہارے بڑے بڑے اعضاء اور ان میں جو ہڈیاں ہیں ان کو بنانا تو بجائے خود، وہ تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ تمہارے ہاتھ، پھر ان ہاتھوں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں اور پھر ان کے چھوٹے چھوٹے پوروں کو بھی جوڑ کر درست کر کے انہیں پہلی حالت پر لا سکتا ہے۔ بڑی چیزوں کو اپنی اصلی حالت پر لے آنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔

۸ ان کی طبیعتیں قیامت پر ایمان لانے کی طرف کیوں مائل نہیں ہوتیں۔ ان کے دل اس سراسر حق بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں، اس کی وجہ اس آیت میں ذکر کر دی کہ اصل بات یہ ہے کہ فسق و فجور، مے پرستی و رندی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ اپنے سے کمزوروں پر ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ کی انہیں ایسی لت پڑ چکی ہے کہ اب وہ اس سے باز آنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر یہ قیامت کے دن پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کے سارے اعمال پر ان کا محاسبہ ہوگا تو ساغر و مینا کی کھنک، ساقی و شاہد کی عشوہ طرازیاں ختم ہو کر رہ جائیں۔ ان کی اخلاق باختگی اور بے راہروی جس میں ان کی ساری لذتیں اور عزتیں مرکوز ہیں سب ختم ہو جائیں۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے انہیں یہ دیکھنا پڑے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کرنے والے کا کیا حال ہے۔ یہ پابندیاں ان سے نہیں اٹھائی جاتیں، اس لیے وہ اس عقیدہ کے نزدیک بھی نہیں جاتے جو ان کی بزم نشاط کو الٹ کر رکھ دے جو ان کو کسی ضابطہ اخلاق کا پابند بنا دے۔

الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

آئے گی ۶ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی ۷ اور چاند بے نور ہو جائے گا ۸ اور (بے نوری میں) سورج اور

وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾

چاند یکساں ہو جائیں گے۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے ۹ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ

صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو

وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى

(اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا ۱۰ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ (زبان سے) ہزار بہانے

۶ یہ سوال بھی محض مذاق اڑانے کے لیے ہے جو ان کا معمول تھا۔

۷ قیامت کے ساتھ مذاق کرنے والوں کے سامنے قیامت کا ہولناک منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ معمولی دن نہیں ہوگا اس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دہشت اور خوف کے مارے آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ بَرَقَ (بفتح العین) ہو تو اس کا معنی لَمَعَ تَلَأْلَأَ چمکنا اور بَرِقَ (بکسر العین) ہو تو اس کا معنی دَهِشَ وَتَحَيَّرَ وَلَمْ يَبْصُرْ۔ دہشت اور حیرت کے مارے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

۸ جب قیامت برپا ہوگی تو ابتدائی مرحلوں میں یہ سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ درخشندہ و تابندہ مہر و ماہ بے نور ہو جائیں گے۔ جُمِعَ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں بے نور ہونے میں یکساں ہو جائیں گے اور یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کشش کا قانون جو اس عالم میں کارفرما ہے اور نظام شمسی کے ثوابت و سیارات اپنے اپنے مقام پر یکسانگی کے ساتھ موجود ہیں یہ ختم ہو جائے گا اور چاند سورج کے ساتھ جا ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ یہ انسان جو آج نخوت و غرور سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم نہیں کرتا جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت اس پر عیاں ہوگا کہ وہ آج تک راہ راست سے بھٹکا رہا ہے۔ وہ زور زور سے چلائے گا کہ کوئی پناہ کی جگہ ہو تو بتا دو۔ میں بھی جا کر پناہ لوں لیکن اس دن اسے کوئی پناہ نہیں ملے گی۔ الوَزَرُ فی اللغة ما يُلْتَجَأُ اليه من حصن او جبل او غيرهما (قرطبی) وہ قلعہ، پہاڑ یا غار جہاں انسان جا کر پناہ گزیں ہو سکے اسے لغت میں وزر کہتے ہیں۔ المُسْتَقَرُّ: المُنْتَهٰی۔ آخرکار ٹھہرنے کی جگہ۔

۱۰ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ کی بہترین تفسیر وہ ہے جو ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ای بما اَسْلَفَ مِنْ عَمَلٍ سَيِّئٍ او صالح او اخّر من سنة سيئة او صالحة يُعْمَلُ بها بعده (قرطبی) یعنی جو برا یا نیک کام اس نے اپنے سے پہلے بھیجا ہے

مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ

بنا لے ۱۱ (اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو ۱۲ بلاشبہ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینۂ مبارک میں) جمع کرنا

اور اَخَّرَ سے مراد وہ بُرا یا اچھا طریقہ ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا اور جس پر لوگ عمل کرتے رہے۔ اَخَّرَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ ایسے کام جن کا فیض جاری رہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی ان کاموں کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سبع یجری اجرھن للعبد بعد موتہ وھو فی قبرہ من علم علماً او اجری نھراً او حفر بئراً او غرس نخلاً او بنی مسجداً او ورّث مصحفاً او ترک ولداً یستغفر لہ بعد موتہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات کام ایسے ہیں جن کا اجر بندے کو اس کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا درآں حالیکہ وہ اپنی قبر میں ہوگا: (۱) جس نے علم پڑھایا (۲) جس نے کوئی نہر جاری کی۔ (۳) جس نے کنواں کھودا (۴) جس نے درخت لگایا (۵) جس نے مسجد بنوائی (۶) یا قرآن مجید پیچھے چھوڑا (۷) یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے مغفرت طلب کرتی رہی۔

۱۱ بصیرۃ: کا معنی ہے شاہد، گواہ۔ معاذیر: اگر معذار کی جمع ہو تو اس کا معنی ہوگا پردے اور اگر یہ عذر سے ماخوذ ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا حیلہ بہانہ۔ ان دو آیتوں میں ایک راز سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ انسان جو بُرائیاں کرتا ہے ان کا اسے بخوبی علم ہوتا ہے۔ دنیا کے سامنے اپنی راست گفتاری، راست روی، خلوص اور دیانت داری کو ثابت کرنے کے لیے وہ لاکھ پاپڑ بیلے، ہزاروں جتن کرے۔ ممکن ہے لوگ اس کی بات کو سچا مان بھی لیں، ممکن ہے عدالت بھی اس کی حیلہ سازیوں کے باعث اسے بری قرار دے، لیکن کیا وہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم ثابت کر سکتا ہے۔ اس کا شعور تو اس وقت بھی اسے لعن طعن کر رہا ہوتا ہے جب وہ اپنے جھوٹے تقدس کا بھرم رکھنے کے لیے جھوٹ کے پل باندھ رہا ہوتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا ضمیر مطمئن ہو کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اس کا دامن کسی آلودگی سے میلا نہیں۔ اگر یوسف صدیق علیہ السلام کی طرح تیرا دامن پاک ہے تو پھر سارا مصر یک زبان ہو کر تجھ پر الزام لگاتا رہے تیری نیند میں خلل نہ ہوگا تیرے دل کی دنیا میں اطمینان کا نور برس رہا ہوگا۔ لیکن اگر ساری دنیا تجھے پاکباز کہتی ہو اور تیرا دل تجھے خائن گردانتا ہو پھر تجھے سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہاں قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسان کو اس کے اعمال نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے گا۔ تاکہ عدل و انصاف کے ظاہری ضابطے بھی پورے ہو جائیں ورنہ ہر انسان پر اس کے اعمال آشکارا ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہزار حیلے بہانے تراشا کرے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

۱۲ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ازحد احساس تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضور پوری طرح متوجہ ہوتے اور جبریل امین جونہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی قرأت شروع کرتے حضور بھی اسے جلدی جلدی سے تلاوت کرتے، مبادا کوئی لفظ رہ جائے۔ بیک وقت تین کام۔ سراپا توجہ بن کر سننا، پھر اسی وقت اس کی تلاوت کرنا اور اس کے مفہوم کو سمجھنا بڑا دقت طلب اور تکلیف دہ کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ اس زحمت سے بچانے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اس سیاق و سباق میں یہ آیات شاید کسی کو بے ربط معلوم ہوں، لیکن حقیقت یہ نہیں، یہی وہ مقام ہے جہاں انہیں ہونا چاہیے۔ حضور

اعضا اس میں پیدا ہوئے ان میں جو نزاکتیں محفوظ رکھی گئیں پھر انسان کو کامل الاعضاء بنا کر اس تاریک کوٹھڑی سے نکالا اور اس رزم گاہِ حیات میں کھڑا کر دیا۔ پھر کسی میں باپ بننے کی اور کسی میں ماں بننے کی صلاحیتیں رکھ دیں۔ وہ قوتیں جو قدرت کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس ننھے میں ودیعت کی تھیں وہ اس دنیا میں آکر پروان چڑھنے لگیں اور انسان اپنی پیہم کوششوں کے باعث آج چاند کی سطح پر اپنی فتمندی کے پرچم گاڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا شاہکار خود حضرتِ انسان ہے، کیا اتنی قدرت والا خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مُردوں کو از سرِ نو زندہ کر دے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى

اے اللہ! تُو ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تُو مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی پُوری قدرت رکھتا ہے۔

الٰہی! ہمارے مُردہ دلوں کو بھی زندہ فرما دے۔ الٰہی! ہمارے سینوں میں اپنے ذکر کی شمع روشن کر دے۔ اللّٰھم اعنا علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔ وصل وسلم وبارک علیٰ شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ سیدنا ومولانا محمد المصطفیٰ وآلہ الکرماء واصحابہ الاتقیاء ومن احبہ واتبعہ الیٰ یوم اللقاء۔

○